

جناب کریم الدین صاحب - جدہ

قرآن حکیم
بائبل

اور

جدید سائنس

ایک جائزہ ایک تبصرہ

مہدیہ:- زیر تبصرہ کتابچہ مشہور فرانسیسی ڈاکٹر جناب مورلیس بکائی صاحب کے ایک لیکچر کا اردو ترجمہ ہے جو بابت اس میں نیز ڈاکٹر صاحب کی ضخیم کتاب "بائبل قرآن اور سائنس" دجو انگریزی اور اردو میں بھی دستیاب ہے میں احقر کو خسر صا کھٹکی، وہ ان کا یہ خیال ہے کہ مفسرین قرآن سائنس سے ناواقفیت کی بنا پر قرآن مجید کی تکوینی آیات کی صحیح اور شنائی تفسیر نہ کر سکے۔ یہ خیال انتہائی غلط اور منجملہ فتن قرب قیامت کے ایک فتنہ ہے جس سے اس لیکچر کے مترجم صاحب سب سے پہلے متاثر ہوئے۔ اور ان کے علاوہ نہ معلوم کتنے مسلمانوں کا ذہن اس کتابچہ نیز کتاب سے بگاڑا ہو گا۔ اس لئے بطور تبلیغ اس زہر کا تریاق یعنی تبصرہ ذیل سپرد قلم کیا جا رہا ہے امید ہے کہ قارئین کرام ترجہ سے مطالعہ فرمائیں گے۔ اور اپنے اہل تعلق کو بھی اس کے مندرجات پر مطلع ہونے کا موقع دے کر باجور سول گے۔ اس تبصرہ میں ڈاکٹر صاحب یا مترجم صاحب کی باتیں نمبر وار بحوالہ صفحہ شروع میں آئے اور سیدھے دواہن کے درمیان لکھ کر ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

تبصرہ - (۱) "ایک عیسائی ہونے کے باوجود ڈاکٹر بکائی نے قرآن مجید کا معروضی مطالعہ کر کے ایسے حقائق دریافت کئے ہیں جن کی تصدیق جدید سائنس نے کر دی ہے۔ جو علمی پسماندگی اور سائنسی علوم سے ناواقفیت کی بنا پر ہمارے مسلمان مفسرین (قدیم ہوں یا جدید) کی نظروں سے اوجھل رہے،"

تیم مفسرین میں صحابہ کرامؓ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں جن کے لئے ”علمی پسماندگی“ کا قائل ہونا بڑی مذموم جسارت اور بدعتیہ دگرگئی ہے خصوصاً جب کہ علم سے مراد شرعاً علم دین ہی لیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہی ورثۃ الانبیاء ہے۔ مولانا دوم فرماتے ہیں :۔

علم نبود جز بمسلم عاشقی مالمقی تبیس ابلیس شقی
علم دین قرآن وفقہ وحدیث ہر کہ خواند غیر ازین گردویش

پھر مشہور حدیث تاہیر نخل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے زمانہ از دس سال بعد بھی، جب کہ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تَنْبِثُ الارض عیسیٰ آیتیں بھی نازل ہو چکی تھیں۔ علم النباتات کے ایک معمولی سے مسئلہ یعنی نباتات میں جنسیات کے وجود اور مصنوعی بار آوری سے بھی ناواقف تھے۔ تاہم اس سے آپؐ کے کار منصبی (دفعۃ وتبلیغ اسلام) میں ذرہ برابر نقص نہیں آتا۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ آپؐ قرآن مجید کی ہر آیت کی صحیح تفسیر پر قادر تھے۔ جیسا کہ ”ثم علیٰ بیانہ“ سے ظاہر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کی کسی بھی آیت کی صحیح اور بقدر ضرورت قابل فہم تفسیر کرنے کے لئے علوم جدیدہ سے واقفیت ضروری نہیں۔

۲۔ مصنف کے نزدیک بعض ایسے حقائق بھی ہیں جنہیں ابھی تک پوری طرح نہیں سمجھا گیا کیوں کہ انسانی علم خدا تعالیٰ کے علم کے سامنے بہر حال محدود ہے اور شاید آئندہ چل کر نئی غلافی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ان حقائق کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

مصنف نے اکثر قرآنی حقائق (متعلقہ تخلیق کائنات) سمجھ لئے ہیں، اس طور پر کہ ان کے خیال سے سائنس سے ان کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (ان کے خیال سے اس لئے کہا کہ احقر کے نزدیک بعض حقائق کی موجودہ سائنس پر تطبیق نہیں ہوتی) اور انہوں نے مان لیا ہے کہ قرآن حضورؐ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان پر واضح ہو گئی ہے کہ برخلاف قرآن کے بائبل سائنس کی کسوٹی پر کھری نہیں اترتی۔ اس تحقیق کا، جو انہوں نے غیر معمولی لگن کے ساتھ کی، بڑا مقتضایہ تھا کہ وہ ایمان لے آتے، مگر اس بیکچر کے وقت تک وہ مشرک بہ اسلام نہیں ہوئے جس سے قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر باسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ. وَكُنَّا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَتْهُمْ الْمَوْثِقُ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ. وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

درآل ایمان لانے کے اسباب و وجوہ میں بڑا دخل توفیق الہی ہی کر ہے۔ اور کچھ ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے بیان کردہ ایسے جملہ حقائق کو علوم جدیدہ پر پورے طور سے منطبق کر دینے پر بھی متحقق ہو سکے، البتہ ہمیں ان کو توفیق دے جانے کی دعا کرنا چاہئے۔ (بجملہ اللہ واکثر صاحب مسلمان ہو چکے ہیں جس کا علم احقر کو اس تبصرہ لکھنے

کے بعد ہوا)

۳۔ صفحہ ۵۔ یہ لیکچر قرآن کو سمجھنے کی ایک نئی جہت اور تفسیر کے ایک نئے پہلو سے ہمیں آگاہ کرتا ہے اسے نقطہ آغاز سمجھ کر آگے بڑھا جاسکتا ہے۔ ایک غیر مسلم سائنسدان پہلی بار قرآن کا مطالعہ کر کے یہ حقائق دریافت کر سکتا ہے تو ہمارے اپنے علماء اور سائنسدان ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے آیات قرآنی کی صحیح تفسیر اس نئی جہت اور اس نئے پہلو پر منحصر نہیں۔ اس لئے یہ چیز غیر ضروری ہے۔ پھر یہ کام کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جو محض عالم ہو یا نہ سائنسدان، بلکہ وہی کر سکتا ہے جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ میں بھی اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتا ہو۔ جو بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ اگر خصوصی کوشش کے نتیجے میں کوئی ایسا عالم تیار بھی کر لیا جائے تو تفسیر بالرائے کی وعید جو احادیث میں آئی ہے، اسے اس قسم کی تفسیریں کرنے سے مانع ہوگی۔ جیسی ڈاکٹر صاحب نے کی ہے یا تجویز فرمائی ہے (مثلاً ستۃ ایام کو چھ ادوار سمجھنا۔ آسمان سے مراد زمین کے علاوہ عالم بالا یعنی ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کا مجموعہ لینا۔ سات کے عدد کو جو آسمانوں اور ایک سورۃ میں (مطابق حدیث) زمینوں کے لئے بھی آیا ہے، محض علامت جمع سمجھ کر بہت سے آسمانوں اور زمینوں کے وجود کا قائل ہونا۔ لفظ موبہون کا ترجمہ محض سائنسی نظریہ سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے بجائے "وسیع المقدرت" کے پھیلانے والے "کرنا، کیونکہ سائنسی نظریہ کے مطابق کائنات برابر پھیلتی جا رہی ہے آیت ۳۳ سورہ رحمن یا معشر الجحیم والانس... الابدن من سے خلائی تسخیر کا اشارہ نکالنا۔ آسمان دنیا سے مراد نظام شمسی لینا۔ مابینہما (زمین اور آسمان کے درمیان) سے ایک طرح کے مادے کے پل مراد لینا جو باضابطہ فلکیاتی نظاموں سے باہر ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن میں کواکب سے مراد سیارے ہیں۔ نباتات میں جنسیات کے وجود کی بنا پر لفظ ازواج سے نروادہ کے جوڑے مراد لینا۔ حالانکہ اس کے معنی و مقابل قسموں کے ہیں۔ سائنس کے نظریہ "زندگی کی ابتدا پانی میں ہوئی" کو قرآن کی آیت "ہم نے پانی سے ہر شے کو بنایا" کے مترادف سمجھنا وغیرہ) اور اگر بالفرض اس نے تفسیر بالرائے کی وعید کے علی الرغم اس قسم کی آیتوں کی تفسیروں کو ڈاکٹر صاحب کی طرح کھینچنا کہ علوم جدیدہ منطقی کر بھی دیا تو ان کو سمجھنے والے کتنے مسلمان مل سکیں گے؟ یقیناً عوام تو اس کو پڑھ کر گمراہ ہی ہوں گے کیونکہ وہ اس کو تو سمجھ نہ سکیں گے۔ اور صحیح اور عام فہم تفسیر ان کے سامنے نہ ہوگی اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تفسیر پڑھنے ہی سے ہمیشہ کے لئے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا رہیں۔ غرض مترجم صاحب کی تجویز قابل عمل ہے نہ مفید۔ بلکہ موجودہ لادینی ماحول میں سخت مضرت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے ساری کائنات کو جس کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ صرف سماویہ سے بنا ہوا ثابت کر دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ سماویہ اتنی مقدار میں کہاں سے آیا تھا جس سے یہ خطرہ کچھ بعید از امکان نہیں کہ قاری کہیں مادہ کو قدیم نہ سمجھنے لگے۔ پس

سلامتی اسی میں ہے کہ ہمارے علماء اور سائنسدان آیات قرآنی کی تفاسیر کو علوم جدیدہ پر منطبق کرنے کی خطرناک کوشش نہ کریں۔ آگے چل کر احقر اس کوشش کی خرابیاں انشاء اللہ بتائے گا۔

۴- صفحہ ۵- کیا دوسرے علوم و فنون کی طرح قرآن کو دریافت کرنے کا شرف بھی مغرب کو حاصل ہونا والا ہے؟ قرآن کو "دریافت کرنے" کا مطلب اگر مترجم صاحب کے نزدیک تکوینی آیات کو علوم جدیدہ کے عین مطابق ثابت کرنا ہی ہے تو یہ کام اہل مغرب کو کرنے دیجئے، شاید وہ اس تحقیق سے اسلام کے قریب آسکیں۔ لیکن مسلمانوں کو ایسا کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اول تو یہ تطبیق پورے طور سے ممکن نہ ہوگی جیسے حقیقت آسمان، مستقر شمس، پیدائش حیاة فی المار، پیدائش جبال وغیرہ میں قرآنی آیات کا مفہوم متعلقہ سائنسی تفصیلات کی طرف مشیر نہیں۔ اور اگر کچھ پچھان کر دونوں میں تطبیق پیدا بھی کر دی گئی تو عوام کے لئے ایسی تفاسیر ناقابل فہم ہوں گی۔ اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا مفسر اور گمراہ کن بھی ہو سکتی ہیں۔ دوسرے ایسا کرنا قطعی بے ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسی آیتوں سے علوم جدیدہ کی تعلیم تو مقصود ہے نہیں۔ اور جس مقصد کے لئے ان کا نزول ہوا ہے وہ ان کی معمولی تفاسیر سے (جو اکثر صاحب کے نزدیک نا کافی اور غلط ہیں) بھی بخوبی حاصل ہے۔ پھر ایک دشوار اور پُر خطر راہ میں قدم رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر یہ کہا جائے کہ سائنسی معلومات سے خدا کی عظمت و قدرت کا زیادہ انکشاف ہو کہ ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے تو یہ بات نظری طور پر تو درست معلوم ہوتی ہے لیکن عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر سائنسدان خدا کے وجود کے بھی قائل نہیں۔ جس کی وجہ غیر خدا پرستانہ ماحول، جذبہ خدا پرستی سے خالی اساتذہ اور لادینی تعلیمات پر مشتمل کتابیں ہیں۔ بھلا جو طلباء اسکولوں اور کالجوں میں یہ پڑھیں کہ ہمارے بزرگ بندہ رکھے وہ تخلیق آدم کے قرآنی قصہ پر کیسے ایمان لائیں گے؟ جو یہ سمجھتے ہوں کہ ابھی سورج اربوں سال موجودہ حالت پر باقی رہے گا۔ وہ کیسے قیامت کو قریب سمجھ سکتے ہیں؟ جو لوگ پہاڑوں کو زمین کے بالائی پوسٹ کے ٹھنڈا ہونے پر سکڑنے کے نتیجہ میں بنا ہوا سمجھیں ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں کر آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصی طور پر زمین کی میخیں بنایا ہے تاکہ وہ ہمیں لے کر ملنے نہ لگے؟

میرا مطلب یہ کہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو علوم جدیدہ نہ پڑھنے چاہئیں۔ بلکہ حتی الامکان دیندارانہ ماحول میں خوب پڑھے جائیں لیکن قرآن مجید کی تفاسیر کی تصحیح کے لئے نہیں بلکہ مفید ایجادات کے لئے جس میں افسوس ہے کہ مسلمان دنیا کی متمدن اقوام سے بہت پیچھے ہیں۔ اور اسی وجہ سے دنیا میں کمزور اور ذلیل ہیں۔ شی کی جینے کے حق سے بھی محروم کئے جا رہے ہیں۔

۵- صفحہ ۸- "میرے خیال میں اسلام اور سائنس کے درمیان قرب کی بہترین وضاحت پیغمبر اسلام کی مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

”علم حاصل کرو خواہ (آپ کو) پین کیوں نہ جانا پڑے“

یہ حدیث گویا انسان کے لئے علم سیکھنے اور اس میں اضافہ کرنے کی صلاح عام ہے۔

علماء عقیدتین مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نزدیک ”اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَكُنُوا بِالصِّينِ“ میں علم سے سراسر علم دین ہے۔ جو اس زمانہ میں چین میں نہ تھا۔ جب کہ سائنس کسی نہ کسی حد تک تھا۔ لفظ وکود (اگرچہ) فرض کرنے کے مفہوم میں آتا ہے یعنی بالفرض اگر چین میں بھی علم دین ہو تو وہاں سے بھی اسے حاصل کرو حضرت مولانا نے اپنے بعض مواعظ میں اس حدیث پر کافی بحث کر کے یہی مطلب واضح فرمایا ہے۔ اگر حدیث کا وہ مطلب ہوتا جو ڈاکٹر صاحب نے سمجھا ہے یا بعض مسلمان بھی غلطی سے ایسا ہی سمجھتے ہیں تو کم از کم ابتدائے اسلام میں مسلمان ضرور دوسرے ملکوں میں ایسے موم سیکھنے جایا کرتے مگر تاریخ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ تاہم دنیوی علوم سیکھنے کے لئے سفر کرنا بھی جائز ہے اگرچہ حدیث مذکورہ اس کی مؤید نہیں۔

۹۔ صفحہ ۸۔ ”اور قرآنی متن کی بہتر تشریح و تفہیم کے لئے بعض خاص سائنسی مسائل کو استعمال کیا جاتا ہے۔“ ہم دہشتہ بہت کر چکے ہیں کہ قرآن کی کسی بھی آیت کی صحیح اور عام فہم تفسیر کرنے کے لئے علوم جدیدہ سے واقفیت ضروری نہیں۔ پس ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ سائنسی معلومات کے ذریعے قرآنی متن (یعنی اس کی تکوینی آیات) کی بہتر تشریح و تفہیم ہوتی ہے صحیح نہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی آیت کی بہتر تشریح وہی کہلائی جاسکتی ہے جس سے اس کے نزول کا تفسیر یا سانی پورا ہو سکے جو یقیناً سائنس پڑھانا نہیں ہے۔ بلکہ اظہار عظمت قدرت کے ذریعہ مخاطبین کو توجید کا قائل بنانا ہے۔ ڈاکٹر صاحب خود بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ان کے قول ”قرآن بنیادی طور پر ایک عظیم اور مقدس مذہبی کتاب ہے۔ اور بذات خود ہم اس سے کسی سائنسی مقصد کی توقع نہیں کر سکتے۔ مثلاً جب انسان نو امر تخلیق اور متعدد طبیعی مظاہر پر غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ تو بظاہر اس دعوت کا مقصد باری تعالیٰ کی قدرت مطلق پر زور دینا ہے۔ (پمفلٹ زیر تبصرہ ص ۱۲) سے ظاہر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا زمانہ نزول قرآن میں یا ہمارے اس سائنسی ترقی کے زمانہ میں بھی قرآن کا (مثلاً) سورج کو سراج و تاج اور چاند کو عض نورانی فرمانا اس مقصد کے لئے کافی ہے یا اس کی طویل سائنسی تشریح و تفصیل؟

اول الذکر کی تصدیق صرف مشابہہ سے ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سورج تیز روشنی اور جھلسا دینے والی گرنی پہنچانے میں بھڑکتے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ اور چاند مٹی اور ٹھنڈی روشنی دیتا ہے۔ اس لئے اسے نورانی کہنا ہی مناسب ہے۔ دوسرے دونوں چیزیں اپنے خالق کے وجود اور اس کی توجید پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ان کے متعلق اخرا لہ کر یعنی سائنسی تشریح سے کوئی چیز تو پہلے تو مخاطب کو یہ بتانا پڑے گا کہ تخلیق کائنات سے قبل فضا بسیط صحابیہ سے پر تھی جو دوسری سے مشابہہ ایک چیز تھی جس میں ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسوں کے ذرات ملے ہوئے تھے جو متحرک اور ناقابل تصور درجہ

حرارت پر تھے۔ کسی حادثہ یا دھماکے کے نتیجے میں اس صحابیہ میں اشتقاق پیدا ہوا جس سے وہ لاتعداد ستاروں کے مجموعوں میں منقسم ہو گیا۔ ان میں سے ایک مجموعہ میں ہمارا سورج بھی ہے جس کا کچھ حصہ ٹوٹ کر آٹھ یا نو سیارے بن گئے جو مختلف مداروں میں مختلف چال سے سورج کے گرد گھومنے لگے۔ ان سیاروں میں ایک ہماری زمین بھی ہے۔ چھ زمین سے ایک جگہ علیحدہ ہو کر چاند یا تختی سیارہ بن کر زمین کے گرد ساڑھے اسی دن میں اوسطاً دو لاکھ چالیس ہزار میل کے فاصلہ پر رہ کر ایک چکر پورا کرنے والا ہوا۔ زمین سے سورج بلحاظ وزن تین لاکھ گنا اور بلحاظ حجم تیرہ لاکھ گنا ہے۔ اندرونی احتراق کے نتیجے میں، جو اس میں برابر ہوتا رہتا ہے اس سے تیز روشنی اور گرمی خارج ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے اس کو "سراج و تاج" کہنا مناسب ہوا۔ اور چاند چونکہ خود روشن نہیں بلکہ سورج کی روشنی جو اس پر پڑتی ہے اسی کو زمین کی طرف منعکس کرتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی سورج سے مستعار ہے۔ اس لئے اسے صرف نورانی کہہ سکتے ہیں اس پر اگر مخاطب، یہ سوالات پیش کرے کہ صحابیہ، سورج اور زمین میں مذکورہ حوادث کیوں واقع ہوئے؟ جب زمین سورج کا ہی ٹکڑہ تھی تو اس میں اندرونی احتراق کی خاصیت سورج والی کیوں باقی نہ رہی یا جب چاند زمین کا ہی ایک ٹکڑہ تھا تو اس میں زمین کے خواص مثلاً گرہ ہوا، باد و باران، نباتات و حیوانات وغیرہ کیوں نہ پیدا ہوئے وغیرہ۔ مجھے یقین نہیں کہ اس قسم کے سوالات، واشکالات جو اس تشریح کے متعلق پیدا ہوں گے، سائنس سے ان کے جوابات، نشانی مل سکیں گے اور بالآخر ایک منصف سائنسدان بھی یہی کہنے پر مجبور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی چاہا اور زبان حال سے ۷

ہر چہ دانا کند کند ناداں ایک بعد از خدای بسپا

کا مصداق ہو گا۔ اب ڈاکٹر صاحب اور قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ کیا سائنسی تشریح و تفہیم موجودہ سیدھی سادی اور صحیح تفاسیر کے مقابلہ میں "بہتر" سمجھی جانے کی کسی درجہ میں بھی مستحق ہے؟ پھر بہات بھی کچھ یہ وزن نہیں کہ بعض سائنسی نظریات جن کی بنیاد ظن و تخمین پر ہوتی ہے کبھی غلط ثابت ہوتے ہیں یا کم از کم ان کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے مثلاً یہ نظریہ کہ چاند زمین کا ٹکڑا ہے مشکوک ہو گیا ہے کیونکہ چاند کی بعض چٹانیں (جو وہاں پہنچے پر دستیاب ہوئی ہیں) طبقاتی جانچ کرنے پر زمین کی چٹانوں سے زیادہ پرانی ثابت ہوئی ہیں۔ ایسی صورت میں سائنسی معلومات پر مبنی بعض آیتوں کی تشریح و تفہیم کو عام تنہا سیر سے بہتر تو کیا اپنی جگہ صحیح بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

ہم راستہ کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتے ہیں۔ یا دن کو رات پر سے اتار لیتے ہیں اس کا سیدھا سادہ مطلب تو راستہ و دن کا تواتر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے وسیع القدرت ہونے اور اس کی توحید پر دلالت ہوتی ہے۔ لیکن اگر ان آیتوں کی سائنسی تشریح و تفہیم کی جائے تو مخاطب کو پہلے یہ سمجھانا پڑے گا کہ کرہ زمین (جس کا گیند کی طرح تقریباً

آٹھ ہزار میل قطر کا ایک گزری جرم ہونا اس نے تسلیم کر لیا ہو) کا نصف حصہ ہمیشہ سورج کے سامنے رہتا ہے اور دھال دن اور دوسری طرف والے نصف حصہ میں رات ہوتی ہے۔ پھر اس کو یہ بنا چڑھے گا کہ کرہ زمین اپنے محور پر ایک دن رات یعنی چوبیس گھنٹے میں ایک چکر لگاتا ہے جس سے روشن حصہ تاریکی میں اور تاریک حصہ روشنی میں آتا رہتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ رات کو دن پر اور دن کو رات پر پہنچاتا یا دن کو رات پر سے اتار لینا فرماتے ہیں۔ اس پر اگر طبعاً یہ سوال کرے کہ زمین کی محوری گردش کی وجہ کیا ہے اور اس گردش کی رفتار اتنی ہی کیوں ہے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا ہو؟ تو پھر سائنسدانوں کو یہی کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح چاہا۔

تیسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہے کہ ہم رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں جس سے دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں۔ پس رات بڑھ جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہر شخص کو مشاہدہ ہے، سائنس اس کی یہ وجہ بیان کرتی ہے کہ زمین اپنے بینادنی مدار ج میں سورج سے تقریباً نو کروڑ ۳۶ لاکھ میل کے فاصلہ پر رہتے ہوئے ایک سال ۳۶۵ دنوں میں ایک چکر لگاتی ہے۔ یہ گردش اس کی محوری گردش مذکورہ بالا کے علاوہ ہے۔ پھر ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کا محور سطح مدار پر عموداً واقع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ۶۶° ۱۰' درجہ کا زاویہ بناتا ہے۔ نیز یہ جھکاؤ ہمیشہ ایک ہی سمت میں رہتا ہے جس کے نتیجہ میں سورج کی شعاعیں کبھی خط استوار پر سیدھی پڑتی ہیں تو کبھی خط سرطان پر اور کبھی خط جدی پر جس سے دن رات گھٹتے بڑھتے اور موسم بدلتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ توجہ بہ دوام کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور اس میں کبھی محور کے جھکاؤ کی کوئی وجہ سائنس سوا اس کے نہیں بتا سکتا کہ خدا نے ہی جھکا رکھا ہے۔

ایک اور مثال یحییٰ۔ سورہ جن آیت ۱۹، ۲۰ میں ہے۔ اس نے دو دریاؤں کو (المورۃ) ملایا کہ باہم ملے ہوئے ہیں (مگر حقیقتہً) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ دونوں (کے پانی اپنے رنگ اور ضائقہ کے ساتھ) الگ الگ رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے میں داخل ہونے کے لئے ابڑھ نہیں سکتے

یہ کیفیت دونوں کے سنگم پر یا کسی دریا کے سمندر میں گرنے کے مقام پر مشاہدہ سے ہر شخص کو معلوم ہو سکتی ہے۔ اور غور و فکر کرنے والے باسانی اس سے اللہ تعالیٰ کی عجیب و عظیم قدرت اور توحید پر استدلال کر سکتے ہیں۔ سائنسی معلومات کے اعتبار سے یہ حجاب یا بوزخ "سطحی تناؤ" کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے جس کو آج کل بھی سائنس سے ناواقف لوگ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اور سمجھنے والوں کو بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ پانی میں یہ خاصیت اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے۔

اس مختصر تبصرہ میں گنجائش نہیں در نہ میں ہر کوئی آیت کے متعلق یہ دکھاتا کہ اس کی تفسیر ممتاز مفسرین (خصوصاً حضرت قتادہ نوئی) نے کی ہے۔ وہی اس کے مقصد نزول کے اعتبار سے بہترین اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے

